© rasailojaraid.com



# امریکہ میں اسلام پر ایک نئی کتاب

## Glimpses of Islam; Past and Present

ادھر کئی سال پہلے مغرب کے معروف دانشور پروفیسر سمتھ (W.C.) نے اپنے ایک مقالے "تقابلی مذہب، کہاں اور کیوں؟" میں لکھا تھا: "یہ کہا گیا ہے کہ مستقبل کے مورخین نہ صرف بیسویں صدی کی معروضی کامیابیوں کا مطالعہ کریں گے بلکہ اس صدی کو اس حیثیت سے بھی دیکھیں گے کہ اس صدی میں پوری بنی نوع انسان پہلی بار ایک (عالمی) جماعت کی حیثیت اختیار کر گئی[۱]۔"

چنانچہ بیسویں صدی میں نہ صرف دوسرے ادیان اور ثقافتوں سے لوگوں کی دلچسپی میں اضافہ ہوا بلکہ انہوں نے دوسری ثقافتوں اور عقیدوں کی کہانی خود ان ثقافتوں کی زبانی سننا چاہی۔ یہ بات یعنی کسی مذہب کی کہانی اس کی زبانی سننے کی خواہش یقیناً تقابلِ ادیان کی تاریخ میں ایک اہم اور صحیح قدم تھا۔ چنانچہ ہم نے دیکھا کہ ۱۹۳۶ء میں ڈاکٹر رادھا کرشنا کو آکسفورڈ یونیورسٹی میں مشرقی فکر (Eastern Thoughts) کے شعبہ میں پروفیسر مقرر کیا گیا اور میگل یونیورسٹی (MeGill University) میں اسلامیات میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے امیدوار کے لیے مسلم دنیا میں کم از کم دو سالہ قیام ضروری قرار دیا گیا[۲]۔ اس تاریخی قدم کی اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے پروفیسر موصوف مزید لکھتے ہیں: "یہ پہلا اور بنیادی قدم اس جاودانی سچائی کا اعتراف ہے

۱۔ The History of Religions, Chicogo, (1954), p.33.

۲۔ یہاں اس بات کا ذکر 'دلچسپی' سے خالی نہ ہوگا کہ پاکستان کی یونیورسٹیوں میں شعبۂ اسلامیاب میں عربی ادب کا مضمون لازمی نہیں تھا۔ ۱۹۸۲ء میں یونیورسٹی گرانٹس کمیشن، اسلام آباد نے اس موضوع پر ایک اجتماع کا اہتمام کیا، جس میں ملک کی تمام یونیورسٹیوں کے نمائندے (شعبۂ اسلامیات) شریک تھے۔ اس اجتماع میں بالاتفاق طے کیا گیا کہ شعبۂ اسلامیات میں عربی زبان لازمی مضمون ہوگا۔ خاکسار نے اس اجتماع میں اس امر پر افسوس کا اظہار کیا تھا کہ پاکستان شاید پہلا مسلم ملک ہے، جہاں یونیورسٹیوں میں عربی زبان جانے بغیر اسلامیات کے ماہرین جنم لے رہے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



ہے جو ہمیشہ (انسانی فکر) کی گرفت میں نہیں آتی۔ واقعہ یہ ہے کہ مذہب کا مطالعہ دراصل انسانوں کا مطالعہ ہے... عقیدہ انسانی زندگی کی کیفیت (Quality) کا نام ہے۔ کیوں کہ سارے مذاہب ہر صبح نئے مذہب کی شکل میں جلوہ گر ہوتے ہیں۔ مذاہب کہیں آسمان میں تو رہتے نہیں... یہ تو انسانوں کے دلوں میں بستے ہیں۔'' (The History of Religions)

مذہب کے بارے میں اس صحت مند نقطۂ نظر نے مغرب کے اہلِ علم کو صحیح راہ پر لگایا اور انہوں نے مشرقی فکر و دانش کے بنیادی سرچشموں کی دریافت اور اس کی تبلیغ کے لیے سعی و عمل سے کام لیا۔ جس سے مغربی حلقوں میں پھیلی ہوئی غلط فہمیوں کا کسی حد تک ازالہ ہوا۔

جرمنی کے مشہور مستشرق روڈی پیرٹ (Rudi Paret) اپنے ایک کتابچہ ''جرمن یونیورسٹیوں میں عربی ادب اور اسلام کا مطالعہ'' (The Study of Arabic and Islam at German Universities, Wiesbaden, 1968) میں لکھتے ہیں: ''۱۹ ویں صدی کے نصف آخر سے ہم (مستشرقین) عربی ادب اور اسلام کا مطالعہ عرب۔مسلم دنیا کو کمتر ثابت کرنے کے لیے نہیں کرتے۔ اس کے برعکس ہمارا مطالعہ بتاتا ہے کہ ہم اسلام کی روحانی دنیا سے جس کا ظہور متعدد پیرایوں میں عربی ادب میں ہوا ہے۔ محبت کرتے ہیں۔'' (ص ۳)

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ آج مغرب کے اہلِ علم نے نہ صرف اسلام کے فلسفۂ مذہب، اخلاق، قانون اور شعر و ادب پر لکھا، بلکہ عربی، فارسی کے شعر و ادب، کلام و تصوف، فقہ و قانون اور قرآن و حدیث سے متعلق غیر مطبوعہ قلمی نسخوں کی اشاعت اور ان کے تراجم بھی کیے جس سے مشرق و مغرب کے اہلِ علم میں نئے تعلقات کا آغاز ہوا۔ اگر موجودہ وقت میں مغرب کی سیاسی انا مسلم دنیا کے بارے میں غلط پروپیگنڈہ کرتی ہے تو اس کے توڑ کے لیے خود انہی کے سنجیدہ اہلِ علم حقیقت کو واضح کرنے سے گریز نہیں کرتے[۱]۔ آج فلسطین میں اسرائیل

---

۱ پروفیسر سمتھ (W.C.) نے اپنے ایک خط بنام خاکسار، مورخہ ۲۶؍جون ۱۹۶۷ء کو لکھا تھا: ''اس مہینے (جون ۱۹۶۷ء) کے الم ناک واقعات (سقوطِ بیت المقدس) نے ہم سب کو، جو مشرق قریب کی فلاح سے تعلق رکھتے ہیں، اپنی گرفت میں لے لیا ہے۔ تم یقیناً ذاتی طور پر کرب میں ہوگے۔ لیکن یقین جانیے کہ عربوں کے بہت سے دوست اس المیہ پر گہری ہمدردی رکھتے ہیں۔''

بقیہ اگلے صفحہ پر...

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



کے ہاتھوں نصف صدی سے انسانی قدروں اور عربوں کا خون جس بے دردی سے بہایا جا رہا ہے، اس کی ذمہ داری بنیادی طور پر برطانیہ، فرانس اور امریکہ پر عائد ہوتی ہے، جن کے بل پر آج صیہونیت فلسطین میں وہی خوفناک کھیل کھیل رہی ہے، جو ہٹلر نے جرمنی میں بے گناہ یہودیوں کے ساتھ کھیلا تھا جس پر مغرب نے ہٹلر کو بجا طور پر مجرم قرار دیا تھا۔ افسوس! آج وہی مغربی طاقتیں خاموشی سے فلسطین میں عرب خون کی ارزانی کا تماشا دیکھ رہی ہیں اور جب کبھی فلسطینی عوام کے تحفظ کے لیے بین الاقوامی امن فورس کا مطالبہ کیا جاتا ہے، تو یہی طاقتیں اس مطالبہ کو ٹھکرا دیتی ہیں[۱]۔

مغربی طاقتوں کا یہ 'سامراجی رویہ' نہ صرف مغرب میں انسانی حقوق سے متعلق انجمنوں کے لیے باعثِ حیرت ہے بلکہ خود اسرائیل میں حقیقت پسند اسرائیلی بھی عربوں کی بے بسی پر تڑپ اٹھے ہیں[۲]۔ غرضیکہ مغرب میں آج عربوں اور مسلمانوں کے بارے میں ہمدردی کے جو جذبات پائے جاتے ہیں، اس کا سہرا مغرب اور مشرق کے ان اہلِ علم کے سر ہے، جو ایک مدت سے اسلام میں رواداری، مذہبی آزادی، معاشرہ میں فکر و نظر کی آزادی اور امن و آشتی کی اہمیت پر لکھتے رہے ہیں۔ حتیٰ کہ پروفیسر تھامسن (Thomson) نے اپنے ایک خط میں برطانوی وزیراعظم کو لکھا تھا کہ ۱۸۰۲ء میں جنرل لیک نے دہلی میں حکومت مغلوں سے نہیں بلکہ مرہٹوں سے چھینی تھی، مسلمان مہذب قوم ہیں۔ یہ تھامسن وہی ہیں جن کے خطوط

---

بقیہ... (The tragic events of this month have overwhelmed all of us concerned with the welfare of the Near East. Surely you personally must have been in distress; you must be assured that many friends of the Arabs have had deep sympathy.)

۱۔ برطانیہ کے معروف فلسفی برٹن رسل (Bertrand Russell) نے کہا تھا: "Justic requires that the first step towards a settlement must be an Israeli withdrawal from all the territories occupied in June, (1967)." (برٹن رسل کا پورا بیان، 'اسلامک ریویو'، لندن، فروری ۱۹۷۰ء میں پڑھیے)

۲۔ یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ بیسویں صدی کا معروف جرمن یہودی فلسفی مارٹن بوبر (Martin Buber) تقسیم فلسطین سے پہلے دو قومی ریاست کا قائل تھا۔ یعنی یہودی اور عرب مل کر 'قومی ریاست' بنائیں۔ لیکن تقسیم کے بعد وہ مشرق قریب کی فیڈریشن کا حامی تھا، جس میں اسرائیل بھی شریک ہو۔ اسرائیل کے قیام کے بعد اس نے اسرائیل میں تباہ شدہ عرب باشندوں کی دوبارہ آبادی کے لیے بڑا کام کیا۔ بے شبہ وہ فلسطین میں یہودیوں کے حقوق کا زبردست داعی تھا، لیکن خون خرابے کا قطعاً قائل نہیں تھا، جس سے آج اسرائیل کے ہاتھ رنگے ہوئے ہیں۔ ملاحظہ ہو، "Pointing the Way", Ed. M. Friedman, London, (1957), p. 145.

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



بنام اقبال علی گڑھ سے چھپ چکے ہیں[۱]۔

غرضیکہ غیر مسلم سنجیدہ اہلِ علم نے اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے کہ اسلام نے انسان کی فکری و مذہبی آزادی اور انسانی وقار کو بحال کرنے کے لیے تاریخی کردار ادا کیا ہے۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جب بین الاقوامی سیاسی حالات اور مسلم دنیا کے اربابِ جنون کی پیہم کوششوں سے مسلم ممالک آزاد ہوئے تو 'قومی حکومتیں' غریب عوام کی امنگوں پر پوری نہ اتریں۔ مسلم عوام (عرب ہوں یا غیر عرب) یہ دیکھ کر حیرت میں ڈوب گئے کہ وہ جس سحر کا بے چینی سے انتظار کر رہے تھے، یہ وہ سحر نہ تھی جس کے لیے انہوں نے قربانیاں دی تھیں۔ چنانچہ قومی حکومتوں اور سیاسی رہنماؤں کی اکثریت اپنے عوام کے لیے سیاسی، قانونی اور معاشی طور پر کچھ نہ کر سکی۔ بلکہ ان کی اکثریت معاشرے میں قانون کی حکمرانی، معاشی خوشحالی اور جمہوری قدروں کے فروغ میں خود ایک رکاوٹ بن کر رہ گئی۔ اس ناکامی نے نوجوانوں کو مایوسی اور نا اُمیدی کی تاریکی میں دھکیل دیا۔ یہ نوجوان ایک طرف اپنے سیاسی رہنماؤں سے مایوس ہیں، دوسری طرف مغربی حکومتیں ہیں جو مقامی حکومتوں اور مسلم وسائل کو اپنے سامراجی مفاد کے لیے برابر استعمال کر رہی ہیں۔ جس کی وجہ سے مسلم اور عرب معاشروں کے سیاسی، معاشی اور قانونی مسائل حل نہ ہوئے اور دکھی عوام کو یقین ہو گیا کہ مسرت کہیں ستاروں میں بستی ہو تو ہو لیکن وہ اس دھرتی پر یقیناً نہیں رہتی۔ چنانچہ ایک پر وقار زندگی کا تصور ایک خواب بن کر رہ گیا۔ چنانچہ آج مسلم سیاست و معیشت کی پیہم ناکامیوں اور اسرائیل کی حمایت میں مغرب کی معاندانہ روش سے مایوس ہو کر مسلم عوام کا ان تند و تیز سیاسی نعروں سے متاثر ہونا موجبِ حیرت نہیں جو مذہب کے نام پر لگائے جا رہے ہیں۔ جسے آج مغرب میں بہ وجوہ بنیاد پرستی سے تعبیر کیا جا رہا ہے۔ برصغیر کے علمائے حق نے ان نعروں کو انتہا پسند خوارج کا نیا ظہور قرار دیا تھا۔

اقبال نے گذشتہ صدی کے آغاز میں مسلمانوں کو خبردار کرتے ہوئے کہا تھا: ''ہماری راہ میں جو مشکلات حائل ہیں، مجھے ان کا احساس ہے۔ میں یہاں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اگر

---

۱؎ Iqbal, His Political Ideas at Crossroads, Ed. S. Hasan Ahmad, Aligarh, (1979).

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



ہم اپنی مشکلات پر قابو نہ پا سکے تو پھر دنیا بہت جلد ہم سے چھٹکارا حاصل کر لے گی۔[1]" چنانچہ وقت آ گیا ہے کہ ہم اپنی مسلسل سیاسی ناکامیوں کے بعد سنجیدگی سے اپنا محاسبہ کریں کہ آخر آج زمانہ ہمارے ہی درپے آزار کیوں ہے؟ بے شبہ ہمارے بعض دانشمندوں اور سیاسی مدبرین نے ہمارے سیاست دانوں کو بار بار حافظ کا یہ شعر یاد دلایا تھا کہ

صبح دم مرغِ چمن با گل نو خاستہ گفت
ناز کم کن کہ دریں باغ بسے تو شگفت

یعنی صبحِ دم بلبل نے تازہ پھول سے کہا کہ ناز نہ کیجیے، یاد رکھیے کہ اس چمن میں تم سے پہلے بہت پھول کھل چکے ہیں۔ لیکن اربابِ اقتدار کی انانیت نے انہیں ایسی سیاست میں الجھایا کہ وہ عقل و دانش کی بات کو سننا گوارا نہیں کرتے۔ ہماری رائے میں آج ہماری سب سے بڑی کمزوری بصیرت (Vision) اور اخلاقی ذمہ داری سے ہماری محرومی، ہماری نااہلی اور کرپشن ہے۔ سستی، نااہلی اور بددیانتی نے ہماری فکری، عملی اور اخلاقی صلاحیتوں کو جذب کر لیا ہے۔ چنانچہ آج جہاں اپنے معاشروں کی تعمیر نو ضروری ہے، وہاں اپنے پڑوسیوں سے اچھے تعلقات اور مغربی ملکوں میں پھیلی ہوئی غلط فہمیوں کا ازالہ بھی وقت کا تقاضا ہے جس سے تغافل برتنا ہمارے لیے قطعاً سودمند نہیں۔

جیسا کہ ہم نے پہلے لکھا ہے کہ کسی مذہب کی کہانی اس کی زبانی سننے کی خواہش ہماری فکری زندگی کی تاریخ میں ایک صحت مند روایت ہے۔ جس سے کثیر ثقافتی معاشرہ انسان کی فکری اور مادی فلاح کے لیے بہتر طور پر کام کر سکتا ہے۔ اس موضوع پر اب تک جو کام ہوا ہے، اسی سلسلے کی ایک نئی کتاب Glimpses of Islam; Past and Present کے نام سے ڈاکٹر خالد دوران اور ڈاکٹر عبدالوہاب کے قلم سے آئی ہے۔ یہ پڑھ کر مسرت ہوئی کہ یہ کتاب ایک یہودی کمیٹی کے صدر جم روڈین (Rabbi Jim Rudin) کی درخواست پر

[1] "I am quite sensible of the difficulties that lie in our way, all that I can say is that if we cannot get over our difficulties, the world will soon get rid of us." (see Speeches, Writings and Statements of Iqbal, ed. L.A. Sherwani)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



امریکہ میں بسنے والی یہودی جماعت کے لیے لکھی گئی ہے۔ امریکہ میں مقیم کتاب کے فاضل مصنفین نے بجاطور پر اس درخواست کو ایک چیلنج قرار دیا ہے، کیوں کہ اسلام یا مذہب پر روایتی انداز سے وعظ (Sermon) کہنا تو آسان ہے، لیکن موجودہ وقت میں کسی غیر مسلم جماعت کے لیے جو اپنی ایک فکری اور مذہبی تاریخ رکھتی ہے، سنجیدگی سے لکھنا دوسری بات ہے۔ یہ کام وہی آدمی کرسکتا ہے جو عہدِ حاضر کے فکری اور مذہبی رجحانات سے نہ صرف آگاہ ہو بلکہ اس کردار سے بھی واقف ہو، جو تاریخ کے سٹیج پر اسلام کی اخلاقی اور روحانی تعلیمات نے ادا کیا ہے، نیز وہ عہدِ حاضر کی مذہبی زبان کو بھی جانتا ہو۔ چنانچہ فاضل مولفین نے اس چیلنج کو قبول کیا اور اس راہ کی مشکلات کا ذکر کرتے ہوئے دیباچہ میں لکھا: ''اسلام ایک نظریہ (Theory) ہے، ایک تاریخ ہے (Islam in history) اور ایک عمل۔ چنانچہ اسلام کے ہر پہلو پر لکھنے کے لیے ایک جلد کافی نہ ہوگی۔ ایسے ہی اسلام پر لکھنے کے لیے اسلوبِ بیان پر تحقیق وتنقید کا اتنا بوجھ نہ ڈال دیا جائے کہ قاری کی توجہ موضوع سے ہٹ جائے''[۱]

غرضیکہ فاضل مولفین کو اپنی مشکلات، مجبوریوں اور حدود کا پورا پورا احساس ہے۔ چنانچہ انہوں نے کتاب کو تجریدی مسائل کی لیباٹری بننے نہیں دیا۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے کتاب کا نام Glimpses of Islam; Past and Present رکھا اور انہی باتوں کا ذکر کیا جو فہمِ اسلام کے لیے بنیادی درجہ رکھتی ہیں۔

حالیہ وقت میں عرب معاشرے کے مذہبی رجحانات کا ذکر کرتے ہوئے مصنفین نے لکھا ہے کہ حال ہی میں عربی زبان کے مشہور اخبار الشرق الاوسط میں ایک طویل بحث چلی تھی جس کا عنوان تھا: ''ہم کس قسم کا اسلام چاہتے ہیں'' (What Kind of Islam Do We Want) یہ بحث 1998ء میں چند ماہ تک چلتی رہی، جس میں تقریباً سو اہلِ علم نے حصہ لیا۔ موجودہ کتاب کے مولفین کا کہنا ہے کہ آج سے تقریباً دس سال پہلے اس قسم کی بحث یا مذاکرہ کا انعقاد مشکل تھا، جس میں پوری آزادی سے زیرِ بحث موضوع پر لکھا جاتا۔ مصنفین نے

---

۱۔ ہمیں کتاب کا اوّلین ٹائپ شدہ مسودہ ملا ہے، جس میں صفحوں کے نمبر مسلسل نہیں ہیں، ص ۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



مزید لکھا کہ اسلام کا تعارف (Introduction) لکھنے سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ اس تعارف میں نہ تو تصویر کا ایک ہی رُخ پیش کیا جائے (Monolithic Picture) جو حقیقت سے تعلق نہیں رکھتا اور نہ ہی اسلام کی تشریح وتعبیر میں اتنی تعبیریں یا تصویریں پیش کی جائیں جن میں قاری الجھ کر رہ جائے۔

مصنفین نے اسلام پر لکھی جانے والی کتابوں کے ذکر میں مرحوم ڈاکٹر فضل الرحمٰن کی کتاب ''اسلام'' کو بیسیوں صدی کے دوسرے حصہ کی اہم کتاب قرار دیا ہے۔ اور فہم اسلام کے لیے اس کتاب کی سفارش کی ہے۔ ہر چند کہ قدامت پسند مسلمانوں کے ایک حلقہ نے اس کتاب کو ضرورت سے زیادہ 'لبرل' قرار دیا ہے[1] یہاں فضل الرحمٰن کی ایک دوسری کتاب قرآن کے بنیادی افکار (Major Themes of the Quran) کا ذکر بھی ہونا چاہیے تھا۔ یہ کتاب ان کے پختہ فکر کی تخلیق ہے۔

بے شبہ ڈاکٹر فضل الرحمٰن نے اپنی زور دار فلسفیانہ تحریروں سے مغرب میں اسلام اور مسلمانوں کی بڑی خدمت کی ہے۔ اب تو ان کتابوں کا ملایا، انڈونیشیا میں بھی ترجمہ ہو گیا ہے اور دانش وروں کی ایک بڑی جماعت ان کی تحریروں سے متاثر ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ فضل الرحمٰن نے اقبال کی مجتہدانہ روایت کو بڑی کامیابی سے آگے بڑھایا ہے۔ یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ ڈاکٹر خالد دوران ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے بلانے پر ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد میں رہ چکے ہیں۔ وہ جرمن، فرنچ، سپینش اور انگریزی زبانوں کے علاوہ عربی اور اُردو بڑی روانی سے بولتے ہیں۔ ان کی متحرک زندگی 'آرام' نامی چیز سے واقف نہیں۔ انہیں نہ صرف عربی اور اُردو میں اسلامی لٹریچر سے آگاہی ہے، بلکہ وہ عربی اور اُردو کی موسیقی اور عوامی روایات سے بھی گہری دلچسپی رکھتے ہیں۔ سوڈان میں شیخ طٰہٰ محمود کے، جنہوں نے نمیری حکومت کے ہاتھوں زہر کا پیالہ پیا، مذہبی افکار پر لکھا۔ بعد میں دوسروں نے شیخ موصوف پر علمی کام بھی کیا۔ الغرض خالد دوران ایک سنجیدہ اور متحرک مسلم دانش مند ہیں جو برصغیر کی مسلم فکر کی تاریخ

[1] دیباچہ، ص ۱۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



سے آگاہ ہیں۔ دہلی کے معروف انگریزی پرچے: 'عہدِ جدید میں اسلام' میں ان کے مقالات کو پسند کیا گیا۔ اس سے پہلے انہوں نے جدید مسلم فکر میں ڈاکٹر احمد امین کی خدمات پر "Ahmad Amin and His Contribution to Modern Muslim Thought" فاضلانہ مقالہ لکھا تھا۔

حالیہ کتاب کے پہلے باب (پیغمبر علیہ السلام) میں قبل از اسلام جزیرۃ العرب کی تاریخ اور آنحضرت ﷺ کی سیرتِ طیبہ پر (از ولادت تا رحلت) صاف، سلیس اور خوب صورت انگریزی میں لکھا گیا ہے۔ جسے نہ صرف غیر مسلم بلکہ مسلم طلبہ بھی دلچسپی اور ذوق شوق سے پڑھیں گے۔

آنحضرت ﷺ کی سیرتِ طیبہ بیان کرتے ہوئے فاضل مؤلفین نے آنحضرتؐ کے آخری خطبہ الوداع کا پورا ترجمہ کیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ مؤلفین موجودہ وقت میں انسانی حقوق سے متعلق نئی نسل کے ذہنی رجحانات کا کس حد تک خیال کرتے ہیں۔ اس تاریخی خطبہ میں آپ نے عورتوں کے حقوق، بنی نوع انسان کی مساوات، خدا سرشاری اور حسنِ عمل کی برتری کا ذکر فرمایا۔ آپؐ نے فرمایا: ''اگر بیویوں پر تمہارے حقوق ہیں، تو تم پر بھی ان کے حقوق ہیں... تمام انسان آدم اور حوا کی اولاد ہیں، کسی عرب کو غیر عرب پر اور کسی غیر عرب کو عرب پر، کسی گورے کو کالے پر اور کسی کالے کو گورے پر کوئی فضیلت یا برتری حاصل نہیں ہے، برتری صرف تقویٰ (خوفِ خدا) اور حسنِ عمل کو ہے۔''

آپ نے آخری خطبہ میں مزید فرمایا: ''یاد رکھو! کہ ایک دن تمہیں خدا کے سامنے جانا اور اپنے کیے کا حساب دینا ہے۔ سو! (دنیا میں) میرے جانے کے بعد سیدھی راہ سے بھٹک نہ جانا۔'' آپؐ نے سننے والوں کو خبردار کرتے ہوئے فرمایا کہ لوگو! میرے بعد کوئی پیغمبر نہیں آئے گا اور نہ ہی کوئی دوسرا دین۔ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں، اسے سمجھئے۔ میں اپنے پیچھے دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں: قرآن اور سنت (اپنا نمونہ)۔ اگر تم نے ان کی پیروی کی تو پھر گمراہ نہیں ہو گے۔ فاضل مؤلفین نے سیرتِ طیبہ پر لکھتے ہوئے سولہویں صدی کے ایک شامی عالم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



کی کتاب: ''پیغمبر علیہ السلام کے اجداد اور سیرۃ خیر خلقہ'' پر اعتماد کیا ہے۔

اس فصل کے بعد دوسرے باب: اسلام سے اسلام تک (From islam to Islam) میں بتایا گیا ہے کہ آپ کا دین کوئی نیا دین نہیں تھا۔ یہ وہی سچائی ہے، جس کی تلقین آپ سے پہلے تمام بڑے بڑے پیغمبروں نے کی ہے۔ آپ نے لوگوں کو اور خاص طور پر اہلِ کتاب (یہود ونصاریٰ) سے فرمایا کہ تم حضرت ابراہیمؑ کی راہ پر چلو، اصل دین وہی ہے۔ جس کا مذہبی فرقہ واریت سے کوئی تعلق نہیں۔ قرآن مجید مذہبی گروہ بندیوں کو بیان کرتے ہوئے کہتا ہے: ''اور یہودی کہتے ہیں، یہودی ہو جاؤ، ہدایت پاؤ گے۔ نصاریٰ کہتے ہیں، نصرانی ہو جاؤ، ہدایت پاؤ گے۔ (اے پیغمبر!) تم کہو، نہیں (اللہ کی عالم گیر ہدایت تمہاری ان گروہ بندیوں کی پابند نہیں ہوسکتی) ہدایت کی راہ تو وہی حقیقی راہ ہے، جو ابراہیمؑ کا طریقہ تھا اور یقیناً وہ مشرکوں میں سے نہ تھا۔ (اگر چہ اس کی نسل عرب میں مبتلائے شرک ہوگئی۔ (۲: ۱۳۵، ۳: ۶۵)

آنحضرت ﷺ کی دعوتِ اسلامی کا مقصد یہودیوں اور نصاریٰ کی طرح ایک نیا مذہبی فرقہ قائم کرنا نہیں تھا۔ بلکہ ان تمام مذہبی گروہوں کو جو دعوتِ ابراہیمی کو مانتے تھے، حضرت ابراہیمؑ کی بنیادی دعوت پر ایک جگہ لانا تھا۔ اس ابراہیمی دعوت کا نام قرآن مجید کی زبان میں اسلام ہے۔ ممکن ہے کہ بعض دوستوں کو یہ بات ایک نئی بات معلوم ہو، جو قرآن مجید کے اسلام کو اس اسلام کا مترادف سمجھ رہے ہیں، جو آج اپنی چودہ سالہ سیاسی اور عمرانی تاریخ رکھتا ہے[۱] بے شبہ یہ سیاسی اور تاریخی اسلام بجا طور پر حضرت ابراہیمؑ کی دعوتِ اسلامی کو اپنی بنیاد قرار دیتا ہے۔ لیکن آج جو آدمی خدا کی مشئیت کے سامنے اپنا سر جھکا دیتا ہے، سارے پیغمبروں کو مانتا ہے اور اخلاقی زندگی بسر کرتا ہے لیکن مذہبی گروہ بندی سے الگ رہتا ہے۔ کیا اس پر لفظ مسلم یا مومن کا اطلاق ہوسکتا ہے؟

حضرت یعقوبؑ کی ایک وصیت کا ذکر کرتے ہوئے قرآن نے فرمایا: ''پھر کیا تم

---

۱ تفصیل کے لیے دیکھئے: رشید رضا: تفسیر المنار، ج ۱، ص ۴۷۷-۴۷۸ (سورۃ ۲: ۱۳۴) نیز ملاحظہ ہو: المعارف، لاہور، جولائی-دسمبر ۱۹۹۴ء، اداریہ، نوعِ انسانی کی بہتری کے لیے قوموں کا باہمی تعاون، ص ۷-۲۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



اس وقت موجود تھے جب یعقوبؑ کے سرہانے موت آ کھڑی ہوئی تھی اور اس نے اپنی اولاد سے پوچھا تھا، بتلاؤ میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟ انہوں نے جواب میں کہا تھا، ہم اس ایک اللہ کی عبادت کریں گے، جس کی تو نے عبادت کی ہے۔ اور تیرے بزرگوں، ابراہیمؑ، اسماعیلؑ اور اسحاقؑ نے عبادت کی ہے۔ اور ہم خدا کے حکموں کے فرمانبردار ہیں۔ (۲:۱۳۲)

بے شبہ انسان ''تمناؤں میں الجھایا گیا ہے۔'' جب دین کی صحیح تعلیم نظر سے اوجھل ہو جاتی ہے تو پھر ہر مذہبی گروہ عمومی طور پر صرف اپنے آپ ہی کو نجات یافتہ گروہ تصور کرتا ہے۔ قرآن ایسے ہی لوگوں کے بارے میں فرماتا ہے۔ ''(مسلمانو!) نہ تو تمہاری آرزوؤں پر موقوف ہے اور نہ ہی اہلِ کتاب کی آرزوؤں پر، جو کوئی برائی کرے گا، (خواہ وہ کوئی ہو) ضروری ہے کہ اس کا بدلہ پائے۔ (۴:۱۲۳)

اس کتاب میں رسولِ کریم ﷺ کی حیاتِ طیبہ اور قرآن مجید کی آیاتِ کریمہ کی روشنی میں اسلام کی تشریح وتعبیر جس خوب صورت انداز سے کی گئی ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ اگر ہم فقہ اور علمِ کلام کی عینک اُتار کر قرآن مجید اور پیغمبر علیہ السلام کی حیاتِ طیبہ کا مطالعہ کریں تو پھر ہم قرآن مجید کے حسن و جمال اور موسیقی سے صحیح معنی میں لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔ پکتھال نے سچ کہا تھا کہ قرآن ایک منفرد سمفنی (Symphony) ہے، جس کی ہر صدا پر انسان پر جذب و مستی طاری ہو جاتی ہے۔

"The Glorious Koran that inimitable of symphony, the very sounds of which move men to tears and ecstasy."

یہی وجہ ہے کہ مؤلفین نے 'اسلام سے اسلام تک' (From islam to Islam) کے باب میں اسلام کی تشریح علم الکلام، سیاست اور تاریخ کی روشنی میں کرنے کی بجائے وحی الٰہی (قرآن) کی روشنی میں کی ہے۔ پروفیسر سمتھ نے ایک دفعہ کہا تھا: I believe in God میں خدا پر ایمان رکھتا ہوں۔ اس لیے عربی میں میرے لیے لفظ مومن آئے گا۔ اس پر خاکسار نے ان سے کہا کہ ابنِ حزم کا کہنا ہے کہ جو آدمی دل سے اللہ پر ایمان رکھتا ہے، وہ مومن ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



اور مسلم، خواہ وہ اپنے آپ نصرانی کہے یا یہودی[۱]

اسلام اور پیغمبر اسلام پر اختصار سے لکھنے کے بعد مؤلفین نے اسلام کے دو بڑے گروہ: اہل السنۃ اور اہل الشیعہ پر لکھا ہے۔ جس میں اس بات کا ذکر بھی کیا گیا ہے کہ بعض شیعہ حضرات کی رائے میں وحی کا نزول دراصل حضرت علیؓ پر ہونا تھا۔ لیکن جبریل حضرت علیؓ سے نہ مل سکے تو حضرت محمد ﷺ کی طرف چلے گئے۔ اس قسم کے ''لطیفے'' کا ذکر مناسب نہیں ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ اسلام کے یہ دونو گروہ اپنے سیاسی افکار کے اختلاف کے باوجود اسلام کی بنیادی تعلیمات پر مثلاً توحید، رسالت اور معاد، متفق ہیں۔ اور مستند علمائے شیعہ اس قسم کے افسانوں کو نہیں مانتے۔

اہلِ شیعہ کے ذکر میں امام خمینی کا بھی ذکر آیا ہے اور کہا گیا ہے کہ امام خمینی، مرحوم سید ابوالاعلیٰ مودودی اور مرحوم سیّد قطب کی تحریروں سے متاثر ہیں۔ یہ ممکن ہے کہ ان دونوں حضرات کی تحریریں حضرت خمینی کی نظر سے گزری ہوں۔ لیکن یہ کہنا کہ انہوں نے اپنی تحریک میں ان دونوں سے رہنمائی حاصل کی ہے، غور طلب مسئلہ ہے۔

بیسویں صدی کے حوالے سے حضرت خمینی اور دوسرے شیعہ مفکرین پر لکھنا وقت کا تقاضہ ہے، جسے یہاں پورا کیا گیا ہے۔ لیکن خمینی انقلاب نے ایران کو کیا دیا؟ یہ ایک خالص سیاسی مسئلہ ہے جس کے بارے میں کتاب میں کہا گیا ہے کہ شاہِ ایران کے خلاف حضرت خمینی نے جو تحریک چلائی، مغرب نے اس کی حمایت کی۔ کیوں کہ وہ چاہتا تھا کہ خمینی کی آمد سے ایران میں صنعتی عمل رُک جائے، جسے شاہ نے شروع کر رکھا تھا۔ یہاں اس بات کا ذکر بے جا نہ ہوگا کہ شاہ کے سب سے بڑے حریف مرحوم ڈاکٹر محمد مصدق نے ایرانی عدالت میں کہا تھا کہ ایران کی مذہبی جماعتوں کو برطانیہ اپنے مفاد میں استعمال کرتا تھا، چنانچہ ڈاکٹر خالد دوران کا یہ تبصرہ یقیناً وزن رکھتا ہے کہ مغرب نے شاہ کی 'بندگی' کو کیوں ٹھکرایا؟ فاضل مصنفین نے

---

[۱] سبکی: طبقات الشافعیۃ الکبریٰ، ج ۱، ص ۴۲۔ من آمن باللہ بمعرفۃ قلبہ فھو مؤمن وان اظھر النصرانیہ او الیھودیۃ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com


دوسری فصل: 'جہاد اور جہادازم' میں مصر میں کام کرنے والی انتہا پسند مذہبی جماعتوں کے بارے میں تفصیل سے لکھا ہے کہ انہوں نے تشدد اور نفرت کی پالیسی کو اختیار کر کے نہ صرف مصری شہریوں کا بلکہ غیر ملکی سیاحوں کا بھی خون بہایا ہے۔ انہوں نے اسامہ بن لادن کی 'جہادی' پالیسیوں کا بھی تفصیل سے ذکر کیا ہے، جس سے بعض اوقات قاری یہ محسوس کرتا ہے کہ وہ ایک سیاسی کتاب پڑھ رہا ہے، جہاں مذہب تزکیۂ نفس، اخلاقی تعلیم و تربیت اور بلند قدروں کا نام نہیں ہے، بلکہ سیاست کا آلۂ کار ہے، جو خدا خوفی اور امن و آشتی کی راہ کو ترک کر کے اپنے حریف کو زیر کرنے کے لیے ان غیر اخلاقی وسائل کو اختیار کر سکتا ہے جو حصولِ مقاصد کے لیے ضروری ہیں۔ یاد رہے یہ راہ اربابِ صدق و صفا کی راہ نہیں ہے۔ قرآن نے ہمیں بتایا ہے کہ اربابِ صدق اپنے حسنِ عمل ہی سے اپنی منزل تک پہنچے ہیں۔ قرآن نے حضرت یوسفؑ کی راہ میں آنے والی پے بہ پے آزمائشوں اور مصائب کا ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ آپ نے کس طرح صبر و تحمل اور حسنِ عمل سے اپنی مشکلات پر قابو پایا۔ ابوالکلام آزاد نے حضرت یوسفؑ کی سرگزشت بیان کرنے کے بعد لکھا ہے: 'تم جب چاہو، اپنے حسنِ عمل کی قوت سے ہر طرح کے کرشمے اور اچھنبے پیدا کر سکتے ہو۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ تم چاہتے ہی نہیں۔ اور اسی لیے قانونِ عمل کے کرشمے تم پر کھلتے بھی نہیں۔ دنیا میں یوسف کی سرگزشت ایک ہی مرتبہ گزری۔ لیکن یوسف کے حسنِ عمل کی سرگزشت ایک ہی مرتبہ کے لیے نہ تھی۔ بلاشبہ مصر کا بازار اب باقی نہیں رہا۔ لیکن دنیا کا بازار کس نے بلند کیا ہے؟ آج بھی جس کا جی چاہے شانِ یوسفیت پیدا کر کے دیکھ لے۔ دنیا کے تختِ عظمت و جلال اس کا استقبال کرتے ہیں یا نہیں۔'' (ترجمان القرآن، ج ۲، سورۂ یوسف) ابوالکلام نے ٹھیک کہا تھا کہ 'دُنیا کا بازار کس نے بند کیا ہے؟' آج نیلسن منڈیلا نے ستائیس سالہ قیدِ تنہائی کاٹنے اور پرامن جدوجہد سے جس طرح جنوبی افریقہ میں سفید فام قوم کے پانچ سو سالہ سیاسی پندار کے بتوں کو توڑا ہے، وہ عہدِ حاضر میں افریقی تاریخ کا ایک قابلِ تقلید تاریخی کارنامہ ہے۔ ہم نے بار بار لکھا ہے کہ اہلِ پاکستان اپنے فکری اور اخلاقی بحران پر قابو پا کر اور پرامن سیاسی جدوجہد ہی سے اپنے روشن مستقبل کی طرف بڑھ سکتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



ہیں۔ ہماری رائے میں اقبال و جناح کی یہی راہ تھی، جو آج ہماری نظروں سے اوجھل ہو گئی ہے۔

القصہ ہماری رائے میں جہادازم سے متعلق مذہبی سیاست پر بحث ضرورت سے زیادہ لمبی ہو گئی ہے۔ جس سے کتاب کا بنیادی مقصد نظر سے اوجھل ہو گیا ہے اور کچھ تعجب نہیں کہ قاری تشدد پسند 'مذہبی سیاست' سے اکتا کر کتاب کو ہی پھینک دے۔

کتاب کی فصل دوئم: 'اسلام اور اسلام ازم' میں مسلم ممالک میں کام کرنے والی سیاسی جماعتوں کے افکار و عادی پر تبصرہ ہے، جس میں کہا گیا ہے کہ حضرت خمینیؒ سے متاثر ہو کر کام کرنے والی مسلم سیاسی جماعتوں کا دعویٰ ہے کہ عالمی سٹیج سے اشترا کیوں (سویت یونین) کو پیچھے دھکیل دینے کے بعد اب دنیائے سیاست میں واشنگٹن-ماسکو آواز کی بجائے واشنگٹن-طہران کی صدا اُٹھے گی۔ چنانچہ آج یہ اسلامی تحریکیں اپنے آپ کو کمیونزم کی جانشین تصور کرتی ہیں، ان کے خیال میں اب مغرب کا تصادم 'سیاسی اسلام' سے ہوگا۔ چنانچہ لندن میں مرحوم کلیم صدیقی نے 'مسلم پارلیمنٹ' کی آواز بلند کی اور کہا کہ یہ 'پارلیمنٹ' برطانیہ میں بسنے والے بیس لاکھ مسلمانوں کی نمائندہ ہے، وہ شعوری یا لاشعوری طور پر مسلم پارلیمنٹ کو برٹش پارلیمنٹ کا حریف گردانتے تھے۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہتے تھے کہ ان کی تخلیق کردہ 'مسلم مجلس' پر مسلم پارلیمنٹ کا لیبل ان کے حریفوں نے لگایا ہے۔

مغرب میں 'سیاسی اسلام' کے جھنڈے تلے مسلم جماعتوں کی سرگرمیوں اور بلند بانگ دعوؤں کو دیکھ کر بعض اعتدال پسند مسلمانوں نے اس اندیشہ کا اظہار کیا ہے کہ 'احساسِ برتری' سے مسحور انتہا پسند مسلم جماعتیں مغرب میں بسنے والے امن اور اعتدال پسند مسلمانوں کے لیے ایک نیا فتنہ کھڑا کریں گی۔[ا]

اسلام کے بنیادی مآخذ میں قرآن مجید کا ذکر کرتے ہوئے، فاضل مؤلفین نے لکھا

---

ا؎ اس بات کا اظہار ہمبرگ (جرمنی) میں ترک مسلمانوں کی جمعیت کے رہنما بولنٹ اوزل (Bulent Ozyol) نے کیا ہے۔ ص ۴۸ (اسلام اور اسلام ازم)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



ہے: ”قرآن مجید خدائی کلام ہے، جو حضرت جبریل کی وساطت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ یہ دراصل خدا اور انسانیت کے درمیان ایک مقدس مکالمہ ہے۔ زندگی کو زندگی بنانے کے لیے ضروری ہے کہ ایک مسلمان کی زندگی اس مقدس کتاب کے سانچے میں ڈھل جائے، جس کا ایک ایک لفظ اپنے اندر معانی کی دنیا رکھتا ہے۔ چنانچہ اس کتاب کا کوئی لفظ زائد یا بے معنی نہیں ہے۔ قرآن کے معانی کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ پڑھنے والا ان معنوی تجربات کا ایک حصہ بن جائے جن سے حاملِ قرآن آنحضرت ﷺ گزرے ہیں۔ چنانچہ کلامِ الٰہی کو اپنے اندر جذب کرنے اور اس کی تفہیم کے لیے ایک مسلمان کو یہ شعور اجاگر کرنا ہوگا کہ قرآن براہِ راست اس سے ہم کلام ہے اور زندگی کے ہر موڑ پر اٹھنے والے سوالات کا جواب دے رہا ہے۔“

حقیقت یہ ہے کہ قرآن فہمی سے متعلق ڈاکٹر دوران اور عبدالوہاب کے حسنِ بیان سے قلب ونظر کو ایک سکون ملا کہ ابھی تک ایسے لوگ موجود ہیں جو اس حقیقت سے آگاہ ہیں کہ قرآن فہمی ’بیضاوی و بغوی کی ورق گردانی سے نہیں... اس کے لیے تو جبریل عشق کے فیضان اور دلِ دردمند کے الہام کی ضرورت ہے۔“ خود قرآن مجید نے اپنے بارے میں فرمایا ہے کہ ”**لایمسه الا المطهرون**“ (سورہ الواقعہ) یعنی ”پاکیزہ روحیں ہی قرآن کے معانی کا ادراک کرسکتی ہیں۔“

اقبال نے سچ کہا ہے:

تیرے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحبِ کشاف

قرآن مجید کے انگریزی تراجم میں مؤلفین نے چوہدری محمد ظفر اللہ خان کا بھی ذکر کیا ہے، ایسے ہی انھوں نے پروفیسر اے۔ جی۔ آربری کے شہرہ آفاق انگریزی ترجمہ قرآن کا بھی بجا طور پر ذکر کیا ہے۔ بے شبہ چوہدری محمد ظفر اللہ اپنے پیشے میں بری مہارت رکھتے ہیں۔ وہ نہ صرف پاکستان کے پہلے وزیرِ خارجہ رہے، بلکہ عالمی عدالت کا ممبر بننے کا شرف بھی انہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



حاصل ہے۔ لیکن ان کے انگریزی ترجمہ میں کوئی انوکھی یا امتیازی بات نہیں ہے نہ ہی انہوں نے کبھی 'سکالرز' کے قبیلے سے اپنا رشتہ جوڑا ہے۔ اس لیے اگر چوہدری صاحب کے انگریزی ترجمہ قرآن کی بجائے مستند سکالرز مثلاً محمد اسد کا ترجمہ وتفسیر[۱] The Message of the Quran، روڈی پیرٹ کا جرمن ترجمہ اور ابوالکلام آزاد کی معروف تفسیر ترجمان القرآن (انگریزی ترجمہ از ڈاکٹر عبداللطیف) کا ذکر آ جاتا، تو زیادہ مناسب ہوتا۔ ترجمان القرآن کو K.Cragg نے اپنی کتاب The Pen and Faith (London, 1985) میں بیسویں صدی کی معروف ترین کتابوں میں شمار کیا ہے۔ عبداللہ یوسف علی کا ترجمہ بھی بڑا مقبول ہے۔

ہم یہاں کتاب کے ایک دوسرے باب ''شریعہ اور تصوف'' پر بھی لکھنا چاہتے تھے۔ لیکن 'المعارف' کی تنگ دامنی اجازت نہیں دیتی۔ اس لیے نہایت ہی اختصار سے یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ شریعت پر عہدِ حاضر کے اسلام پسندوں کے افکار پر لکھنے سے پہلے یہ لکھنا ضروری ہے:

۱)۔ علمائے سلف کے ہاں شریعت کا اطلاق مسلمانوں پر ہوتا ہے۔ غیر مسلمانوں پر نہیں۔

۲)۔ ہر عہد اپنے ساتھ نئے مسائل لاتا ہے۔ اس لیے اجتہاد کا عمل جاری و ساری رہنا چاہیے۔ چنانچہ عدل و انصاف کے قیام کے لیے جو بھی قدم اٹھایا جائے گا، وہ دین ہی کا حصہ شمار ہو گا۔ الطرق الحکمیۃ میں ابن قیم نے لکھا ہے:

**''فأیّ طریق استخرج بها العدل و القسط، فهی من الدین، لیست مخالفه له''** یعنی عدل و انصاف کی طرف جانے والی راہ دین ہی کا حصہ شمار ہو گی۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال نے نئے وقت کے جلو میں آنے والے مسائل کو سلجھانے کے لیے لکھا تھا: 'قرآن کی تعلیمات کہ زندگی تخلیقی ترقی کا ایک عمل ہے۔ اس بات کو ضروری قرار دیتی ہے کہ ہر نسل کو جو اپنے پیش رووں کے کام سے برابر رہنمائی حاصل کرتی ہے، اس بات کی اجازت ہونی چاہیے

---

۱۔ محمد اسد کے ترجمہ وتفسیر پر 'اسلامک کواٹرلی' لندن، ستمبر ۱۹۶۸ء میں خاکسار کا ایک تفصیلی تبصرہ شائع ہوا تھا، جس پر مرحوم نے ۹رفروری ۱۹۶۹ء کو خاکسار کے نام ایک خط بھی لکھا تھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



کہ وہ اپنے مسائل کو خود ہی حل کرے[1]۔''

افسوس! کہ علمائے جمود نے شریعت کو بہ قول ابن قیم اس مقام پر لا کھڑا کیا ہے، جہاں وہ بندوں کے مفاد کا تحفظ نہیں کر پاتی... نیز علماء نے ادراکِ حقیقت کی راہوں کو یہ کہہ کر خود ہی اپنے آپ پر بند کر رکھا ہے کہ یہ قواعد شرع کے خلاف ہیں۔''

یہ تو تھی تیرھویں صدی میں علمائے جامد کے بارے میں ابن قیم کی رائے، لیکن انیسویں صدی میں شیخ رشید رضا نے لکھا کہ مصر میں جب اسماعیل پاشاہ نے علمائے ازہر سے درخواست کی کہ وہ جدید انداز میں شرعی احکام کو مدون کریں تو علمائے ازہر نے اس درخواست کو یہ کہہ کر مسترد کر دیا کہ ایسا کرنا بدعت ہے اور سلف کے طریق کار کے خلاف۔ چنانچہ اسماعیل پاشا نے علماء سے مایوس ہو کر نپولین کوڈ کا عربی میں ترجمہ کرایا اور نافذ کر دیا[2]۔

افسوس! شریعت کی تفہیم وتنفیذ کے بارے میں علمائے جامد نے جو ٹھوکریں کھائیں، عہدِ حاضر میں سیاسی اسلام پسندوں نے ان سے کہیں زیادہ غلطیوں کا ارتکاب کیا۔ چنانچہ علمائے سلف کے طریق کار اور اجتہادی روایات سے ہٹ کر سوڈان میں نمیری حکومت نے نہ صرف شریعت کی تعبیر وتشریح میں غلطی کی بلکہ اس کے نفاذ میں ٹھوکر پر ٹھوکر کھائی، جس کے نتیجہ میں جنوبی اور شمالی سوڈان میں خونی تصادم جاری رہا۔ نمیری حکومت کے بعد صادق مھدی نے نمیری کی جاری کردہ 'شرعی اصلاحات' کو معطل کر دیا۔ یہی المیہ پاکستان میں جنرل ضیاء الحق کی حکومت اور اس کے حامیوں کے ہاتھوں دہرایا گیا۔ چنانچہ شریعت کے نام پر خلافِ شرع قدم اٹھائے گئے۔ ۱۹۶۱ء کے عائلی قوانین میں ترمیم کی گئی، حدودِ آرڈیننس جاری کیا گیا، جس سے خواتین کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور آج تک کر رہی ہیں۔ اور شریعت اسلامیہ جو نام ہے سراپا عدل وانصاف کا اور اخلاقی شعور کا، طالع آزما سیاست دانوں اور اپنے ہی نادان دوستوں کے

---

[1] "The teaching of the Quran that life is a process of progressive creation, necessitates that each generation guided by the work of its predecessors, should be permitted to solve its own problems." (Reconstruction of Religious Thoughts in Islam, P.134)

[2] تاریخ الاستاذ الامام عبدہ، قاہرہ (۱۹۳۱ء)، ج ۱، ص ۶۲۰-۶۲۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



ہاتھ میں بازیچہ اطفال بن کر رہ گئی اور مخلوق خدا کو انصاف نہ ملا۔

چنانچہ اس باب میں شریعت کی کلاسیکی تعریف، اس کا بنیادی مقصد (عدل وانصاف کا قیام) اور اجتہاد کے مختصر تعارف کے بعد اختصار سے دورِ حاضر کے سیاسی اسلام پسندوں کی فکری ژولیدگی کا ذکر آنا چاہیے۔ یہ فکری ژولیدگی ہی ہے کہ علم کو اسلامی بنانے کا نعرہ لگایا گیا "Islamization of Knowledge" حالانکہ قرآن وحدیث میں لفظ 'علم' آیا ہے۔

آخر میں خاکسار تہِ دل سے فاضل مولفین کو مبارک باد پیش کرتا ہے کہ انہوں نے بہت ہی سوچ بچار اور محنت سے کتاب کا مسودہ تیار کیا۔ جس میں افکار اور طرزِ بیان کی صفائی اور خوب صورتی قابلِ تحسین ہے۔ عرفی نے سچ کہا تھا: ''اللہ کے بھید کو کوئی عارف یا زاہد بیان نہ کر سکا، حیرت اس بات پر ہے کہ میکدے میں بیٹھنے والے نے یہ راز کہاں سے سن لیا؟'' ہاں! اگر کتاب کو آخری شکل دینے سے پہلے فاضل مولفین ایک بار پھر مسودے کو اپنی تخلیقی تنقید وتحقیق کے عمل سے گزرنے کی اجازت دیں تو مزید کانٹ چھانٹ کے بعد کتاب کا چہرہ اور دمک اُٹھے گا اور نہ صرف امریکہ میں بلکہ مسلم دنیا میں اس قیمتی کتاب کا خیر مقدم کیا جائے گا۔

افسوس! کتاب پر تبصرہ لمبا ہو گیا، لیکن جو بات کہنا چاہتا تھا، وہ کہہ نہیں پایا:

زباں زنطق فروماند و رازِ من باقیست
بضاعت سخن آخر شد و سخن باقیست

رشید احمد (جالندھری)

© rasailojaraid.com